عیاش سے روایت کی ہے، وہ شام کے شہر سلمیہ کے قاص تھے۔

قاص اھل سلمیۃ[1] وہ سلمیہ کے باشندوں کے قاص تھے۔

کردوس بن عباس تغلبی کوفی اپنی جماعت کے مخصوص قاص تھے اور زبانی بیان کرنے کے بجائے کتاب پڑھ کر وعظ و قصص سناتے تھے،

وکان قاص الجماعۃ، کان یقرء الکتب[2] اپنی جماعت کے قاص تھے اور کتاب پڑھ کر سناتے تھے،

محمد بن کعب قرظی مدنی متوفی ۱۱۸ھ اہل مدینہ میں حدیث و فقہ کے مشہور عالم تھے وہ ایک مسجد میں وعظ و قصص سناتے تھے۔

فی المسجد کان یقص وہ مسجد میں وعظ و قصص بیان کرتے تھے۔

ایک دن مسجد میں وعظ بیان کر رہے تھے۔ سامعین کی بھیڑ تھی۔ اسی حال میں چھت گرگئی اور محمد بن کعب اور کئی دوسرے لوگ ملبہ میں دب کر انتقال کر گئے[3]

ابو بشر صالح بن بشیر مری بصری متوفی ۱۹۶ھ نے حسن بصری اور ابن سیرین سے روایت کی ہے، وہ وعظ و قصص میں شہرت رکھتے تھے اور القاص کے لقب سے مشہور تھے[4] محمد بن سماک نے عائذ بن نصیر سے حدیث کا سماع کیا تھا وہ بھی مشہور واعظ وقاص [illegible]

معد بن خالد جدلی کوفی ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ تلاوت کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جس رات میں نماز کے لئے کھڑا ہوا صبح تک نماز میں مشغول رہا، وہ بھی واعظ و قاص تھے اور القاص کے لقب سے مشہور تھے[6]

ابو حفص بن عمر مدلک رازی نے مکی بن ابراہیم سے روایت کی ہے وہ بھی القاص کے لقب سے مشہور ہیں۔ ابن معین نے ان کی تکذیب کی ہے۔ ایک مرتبہ وہ

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ ص ۱۷۵ [2] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۱ ص ۲۴۳ [3] کتاب الثقات ج ۵ ص ۳۵۱
[4] الاکمال ج ۱ ص ۲۹۰ [5] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۱ ص ۳۳ [6] تاریخ کبیر ج ۴ ، ص ۳۹۹

احمد بن یوسف ترمذی کے مکان پر وعظ و قصص بیان کر رہے تھے جس میں ایک حدیث یوں بیان کی ثنا ابو المغیرۃ عبدالقدوس بن الحجاج حالانکہ عمر بن مدرک نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے، اسی طرح ایک مرتبہ مقاتل نامی ایک شخص کے مکان میں اپنی مجلس وعظ میں ایک لمبا چوڑا واقعہ بیان کیا اور بعد میں اس کی صحت سے انکار کر دیا[1]

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۱ ص ۱۳۷

ندوۃ المصنفین دہلی کی نئی پیش کش

آثار و اخبار

مصنفہ

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مدیر اعزازی برہان دہلی

سائز 20 × 26

یہ کتاب اب کتابت کے آخری ۸ مراحل میں ہے انشاء اللہ نئے سال کے آغاز میں خوشنما طباعت کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہے

مینیجر ندوۃ المصنفین دہلی

اورنگ زیب اور سیکولرزم

از

عبدالرؤف ایم۔اے۔ اودئی کلاں

راجستھان ساہتیہ اکادمی کی جانب سے ساہتیہ سنگم جودھپور کے زیر اہتمام منعقدہ ایک سیمینار میں جناب لاجپو سکسینہ صاحب نے اپنے گرانقدر مقالہ بعنوان "فرقہ پرستی کے رجحانات اور ادیب کا فرض" میں ارقام فرمایا ہے کہ "تحریک آزادی کے رہنماؤں۔ علی الخصوص۔ گاندھی جی نے سیکولرزم کی جو تعبیر وتشریح کی وہ عصری تقاضوں کا سامنا کرنے میں ناکافی ثابت ہوئی چنانچہ اس ضمن میں ہمیں اورنگ زیب کے اس نظریہ (Conception) کی یاد آئے بغیر نہیں رہ سکتی جبکہ اس کے سامنے مسمی امین خان[1] یہ درخواست پیش کی کہ چونکہ وہ سنی المذہب ہے اس لیے اسے عہدۂ بخشی گری (PAY MASTERSHIP) پر تعینات کر دیا جائے۔ واضح ہو کہ اس اہم عہدہ پر

---

[1] مغل انتظامیہ میں بقول سرجدو ناتھ سرکار تین ہزاری اور اس سے اوپر کے درجات کے منصبدار امراء اعظم کہلاتے تھے اور تین ہزاری سے کمتر درجہ کے صرف منصبدار (اے شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب)

پہلے سے دو پارسی یعنی آتش پرست تعینات تھے) امین خاں کی یہ تجویز مسترد کرتے ہوئے بقول مورخ ڈاکٹر ستیش چندر، اورنگ زیب نے لکھا کہ دنیوی معاملات کا مذہب سے کیا تعلق اور مذہبی معتقدات کو انتظامی امور سے کیا سروکار؟ تم کو تمہارا مذہب مبارک اور مجھ کو میرا۔ اگر تمہارا تجویز کردہ اصول (نظم و نسق جہانبانی میں) تسلیم کر لیا جائے تو میرا فرض ہوگا کہ تمام ہندو راجگان اور ان کی رعایا کو نیست و نابود (EXTIRPAT) کر دیا جائے"۔ عقلمند لوگ قابل حکام کی برطرفی کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھتے۔ شاہی ملازمتیں لوگوں کو اُن کی ذاتی لیاقت و قابلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہیں نہ کہ مذہب و ملت کے نام پر۔

درج ذیل سطروں میں راقم الحروف مذکورالصدر بیان کی روشنی میں اورنگ زیب کے مذکورہ نظریہ کو ملازمتیں تفویض کرنے کے سلسلہ میں تاریخی شواہد کے تناظر میں قدرے وضاحت سے ہدیۂ قارئین کرنا چاہے گا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس ضمن میں اورنگ زیب کا رویہ کتنا فراخدلانہ اور آزاد بھارت کے سیکولرزم سے کتنی پیش رفت لیے ہوئے تھا۔

اکبری عہد کے اوائل ہی سے مغل منصبداروں میں بلا امتیاز مذہب وملت شمالی ہندوستان کی مختلف نسلی اور مذہبی جماعتوں کے معروف لوگ شامل تھے۔ ان میں ہندو یعنی راجپوت خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ بعدہٗ مغل حکومت کی دکن میں پیش قدمی کے ساتھ دکن کے لوگ

مثلاً بیجاپوری حیدرآبادی اور مرہٹوں کی بھی معتدبہ تعداد مغل امراء میں شریک ہوگئی۔ ان مختلف نسلوں، جماعتوں اور مذہبی فرقوں کے باہمی میل جول سے مغل دور خصوصاً شاہجہاں صاحبقران ثانی کے آخری عہد حکومت میں جو حسین گنگا جمنی تہذیب پروان چڑھی اس کا ذکر ہمعصر مؤرخ منشی چندر بھان برہمن نے نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں کیا ہے۔ جسے اس کی تصانیف چہار چمن وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بشمول اورنگ زیب مغل حکمرانوں کے طبقۂ امراء میں ہر مذہب، نسل اور گروہ کے افراد شامل تھے۔ مثلاً تورانی، ایرانی، افغانی، بخاری، ہندوستانی مسلمان جو شیخ زادے کہلاتے تھے، راجپوت، غیر راجپوت ہندو (برہمن اور کایستھ) مرہٹہ اور دکنی وغیرہ۔ لیکن اس مختصر مضمون میں اورنگ زیب کے صرف ہندو (راجپوت اور مرہٹہ) اور ایرانی (شیعی) امراء کے اعداد و شمار کے فیصد تناسب کی وضاحت کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ کیونکہ بیشتر ہندو مؤرخین نے اسے ہندو دشمن اور رافضی کش بتلایا ہے۔ اورنگ زیب کی اکیاون سالہ مدت حکومت کو مؤرخین دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اول ۱۶۵۸-۵۹ء -

۵۔ مغل انتظامیہ میں بقول سر جدو ناتھ سرکار تین ہزاری اور اس سے اوپر کے درجات کے منصبدار امراء اعظم کہلاتے تھے اور تین ہزاری سے کمتر درجہ کے صرف منصبدار (اے شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب) لیکن ڈاکٹر محمد اطہر علی صاحب نے ایک ہزاری اور اس سے بلند درجات پر فائز منصبداروں کے لئے صرف امراء کی اصطلاح استعمال کی ہے (ملاحظہ ہو)

دیباچہ ,, دی مغل نوبلٹی انڈر اورنگ زیب) مضمون ہذا میں بھی لفظ امراء
اس کی جمع امراء سے ایک ہزاری اور اس سے بلند تر درجات کے منصبدار ہی
مراد لیے جائیں ۔ مضمون ہذا میں ایک ہزاری سے کم تر درجے کے منصبداروں
کی تعداد سے تعرض نہیں کیا گیا ہے ۔

اس تمہید کے بعد ہم یہ دیکھیں کہ اورنگ زیب کے دونوں ادوارِ حکومت
کے کل منصبداروں میں علی الترتیب غیر مسلم امراء کا فیصد تناسب کیا تھا ۔
جنگِ برادران کے دا ٹر لو یعنی سموگڈھ کے معرکہ (۲۹ مئی ۱۶۵۸ء) سے پیشتر
اورنگ زیب کے منصبداروں کی مجموعی تعداد ایک سو چوبیس تھی ، اُن میں
صرف نو یعنی سات فیصد راجپوت تھے ۔ اس کے برعکس شہزادہ عالیجاہ
دارا شکوہ کے ستاسی منصبداروں میں بائیس (۲/۱ ۲۵ فیصد) راجپوت
تھے ۔ اس وقت شہزادہ اورنگ زیب کی بجائے دارا شکوہ کے طرفدار
راجپوت امراء کی اکثریت کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ لوگ دلّی دربار یعنی
شاہجہانی حکومت کے نمک خوار تھے ۔ اندریں صورت ان کے پاس دارا کی
حمایت کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا ۔ علاوہ ازیں انھوں نے
دارا کی حمایت کسی جذبۂ وفاداری کی بنا پر نہیں کی بلکہ اس کے
علی الرغم ان (راجپوت منصبداروں) کے ذہن میں پسِ پردہ یہ جذبہ
کارفرما تھا کہ وہ دارا کی فتح میں ہندو دھرم کے احیاء اور اس کے سیاسی
تسلط و غلبہ کا خواب دیکھتے تھے ۔ جسونت سنگھ کے کردار کے سلسلہ میں تو
اس امر کی تصدیق راجستھان کے مشہور اسماء کا رہم کرنل جیمس ٹاڈ کے
اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ " وہ راٹھور (جسونت سنگھ) شاہجہاں کے

کے بیٹوں میں صاف گو اور سادہ مزاج دارا کو جیالاو رنگ زیب کی نسبت بہتر خیال کرتا تھا لیکن فی الحقیقت اُسے اس پوری نسل سے شدید عداوت ونفرت تھی اور وہ انہیں (مغلوں کو) اپنے دھرم اور آزادی کا دشمن سمجھتا تھا چنانچہ جنگِ وراثت میں اس نے کبھی ایک بھائی کا اور کبھی دوسرے کا ساتھ دیا تو اس مصلحت وپالیسی کے ساتھ کہ وہ سب بھائی باہم لڑکر کٹ مریں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اورنگ زیب نے سہرا آرائے سلطنت ہونے کے بعد راجپوتوں اور علی الخصوص جسونت سنگھ جیسے گربہ گوں اور بستر کینہ انسان کے ساتھ بھی نہایت فیاضانہ سلوک روا رکھا۔ اور یہ اس کے روادارانہ سلوک ہی کا نتیجہ تھا کہ اس کے عہد میں راجپوت امراء کی حیثیت اور تعداد شاہجہانی دور کی نسبت بہتر ہو گئی۔ ان میں مرزا راجہ جے سنگھ وجسونت سنگھ ہفت ہزاری ذات وسوار نیز دو اسپہ سہ اسپہ کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز تھے جبکہ یہ دونوں شاہجہانی عہد میں صرف شش ہزاری منصب پر ہی مامور تھے۔ ان کے علاوہ رانا راج سنگھ اور راجہ رام سنگھ کچھواہہ شش ہزاری اور رائے سنگھ سسودیہ، چمپت سنگھ بندیلہ، رائے سنگھ راٹھور، اندرمن ڈھنڈیرا، راؤ بھاؤ سنگھ ہاڈا اور رانا بھیم سنگھ دوم وغیرہ پنج ہزاری منصب پر تعینات تھے۔ یہ سب امیر الامرا کے زمرہ میں داخل تھے۔ یک ہزاری تا ساڑھے چار ہزاری منصب داروں میں بھی راجپوتوں کی ایک معتد بہ تعداد موجود تھی۔ یہی نہیں بلکہ بعہدِ جہانگیری ۱۶۰۶ء میں راجہ مان سنگھ کو بنگال کی صوبیداری سے واپس بلا لینے کے بعد سے لے کر ۱۶۵۸ء تک جبکہ جسونت سنگھ کو مالوہ

کا صوبیدار بنایا گیا، باون سالہ مدت میں کسی راجپوت کو مغل سلطنت کے کسی اہم صوبہ میں بحیثیت صوبیدار مقرر نہیں کیا گیا جبکہ اورنگزیب کے دورِ حکومت میں عمدۃ الملک مرزا راجہ جے سنگھ کو دکن کا باقاعدہ صوبیدار اور جسونت سنگھ کو دو دفعہ (۱۶۵۹ تا ۱۶۶۱ نیز ۱۶۷۰ تا ۱۶۷۲ء) مالوہ کے اہم صوبہ کا وائسرائے بنایا گیا۔ اس سے قبل ۳۰ اگست ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب نے اسے (جسونت سنگھ کو) ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا کرتے ہوئے اپنی غیر موجودگی میں پایۂ تخت دہلی کی حفاظت کا نگراں بنایا۔ علاوہ ازیں وہ جون ۱۶۷۴ء سے اپنے انتقال (۲۸ نومبر ۱۶۷۸ء) تک جمرود (کابل) کا حاکم رہا۔ لیکن اس تعصب و مداہنت کا کیا کیجیے کہ سرجدو ناتھ سرکار اسے جمرود کا محض تھانیدار بتلاتے ہیں[۵]۔ لیکن یہ امر ناقابل فہم ہے کہ ایک ہفت ہزاری ذات و سوار اور دو اسپہ، سہ اسپہ امیر الامراء کو ایک شہر کا صرف تھانیدار مقرر کیا جاوے۔ اس کے علاوہ مؤرخ موصوف اس حقیقت سے بھی پردہ نہیں اٹھاتے کہ اس دوران میں جسونت سنگھ کی بجائے افغانستان کا گورنر کون تھا۔ جبکہ احقر اپنی ناقص معلومات اور محدود مصادر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صرف اتنا عرض کر سکتا ہے کہ امیر خان پسر خلیل اللہ خاں کو جسونت سنگھ کے انتقال کے بعد ہی افغانستان کا گورنری پر تعینات کیا گیا تھا جہاں وہ اپنی وفات (۲۸ اپریل ۱۶۹۸ء) تک گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

فرانساوی سیاح ڈاکٹر برنیر بھی جو آگرہ میں ۱۶۶۵ء تک مقیم رہا اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اورنگ زیب نے راجپوتوں کو باعزت عہدے